# عصر جدید میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے تفسیر تفہیم القرآن اور تفسیر فی ظلال القرآن کی معنویت کا علمی جائزہ

# Analysis of the effectiveness and benefits of tafsir "Tafheem ul Quran" and tafsir "Fi-Dhilal il-Quran" in the preaching of Islam in Modernage

**ڈاکٹر امجد حیات**

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل)، اسلام آباد

**ڈاکٹر محمد سعید**

پی ایچ ڈی اسلامک اسٹڈیز، فیکلٹی آف اصول الدین، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

## ABSTRACT

This research paper studies the effectiveness of Tafheem ul Quran and Fi-Dhilal il-Quran in the preaching of Islam in the modern age the one is written by Syed Abul Aalaa Maududi (1903A.D – 1979 A.D) a great revivalist, religious scholar, reformer, academia and representative of Islam, while the other is the Quranic commentary of Syed Qutb (1902 A.D – 1966 A.D) who belonged to Egypt and made great contribution in Islamic revival, a famous author and activist. "Tafheem ul Quran" is a famous commentary of the Holy Quran in Urdu language which has received acceptance among new generation and modern educators, while tafsir "Fi-Dhilal il-Quran" is written in Arabic language which is famous all over the world. In addition there is so many similarities and commonalities in the work of these two honourable scholars i.e. both has preaching style in their tafsirs furthermore both had addressed the contemporary modern and social issues, presented Islam in systematic, logical and rational way and they tried to make the Quranic instruction more easier for the new generation. They also appeal the mind of modern man while addressing contemporary issues and while trying to present applicability of Islam in modern age, so this research is designed in the context mentioned above.

**Key Words:** Tafheem ul Quran, Fi-Dhilal il-Quran, preaching, effectiveness, benefits.

اس میں کوئی شک نہیں کہ قران کریم کتابِ دعوت ہے جو ربِ کریم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے۔اس سلسلے میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے دعوتی اسلوب ومناہج کو بھی ہمارے سامنے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی دعوت کو عام کرتے ہوئے اپنے فرمودات کے ذریعے اس کی تعلیمات کو واضح کیا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے قرآن پاک کی

دعوت و توضیح اور تشریح کی ذمہ داریوں کو نبھایا، جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ہر دور میں قرآن مجید پر تفسیریں لکھی گئیں اور دعوت و ارشاد کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اسی طرح تفاسیر اور علوم القرآن پر بے شمار کتب منصۂ شہود پر آئیں۔ اس ضمن میں ہر تفسیر منفرد خصوصیات و امتیازات کی حامل ہے۔ ہر دور کی مشکلات اور چیلنجز کے مطابق علماء نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ بیسویں صدی کے مفسرین نے اپنے دور کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے فہم قرآن کو عام کرنے اور اسلام کی مؤثر دعوت کے فروغ کے لئے اپنے خاص اسلوب سے تفسیریں لکھی ہیں، جن میں سے تفسیر فی ظلال القرآن اور تفہیم القرآن قابل ذکر ہیں۔ اس میں سے پہلی تفسیر عربی زبان میں لکھی گئی جس میں عربی دانوں کے لئے بیسوی صدی کے فکری، سماجی اور اخلاقی چیلنجز کا حل پیش کیا گیا ہے جبکہ دوسری تفسیر تفہیم القرآن اردو زبان میں لکھی گئی ہے، جس میں اردو دان طبقہ کے لئے بیسوی صدی کے انہی چیلنجز کا حل پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ ھٰذا میں عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کی معنویت کا علمی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور سید قطب بیسویں صدی کے جید عالم، مفکر، مصنف اور مجدد گزرے ہیں۔ انہوں نے فکرِ اسلامی کی تجدید اور احیائے اسلام کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ، علم کلام، سیاست، معیشت، معاشرت، تحریک و تنظیم کے علاوہ باطل افکار و نظریات کے رد میں ایسی شاہکار تحریریں چھوڑیں، جو طویل عرصے تک زندہ وجاوید رہیں گی۔ اس حوالے سے ان دونوں سکالرز نے عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے عصری اسلوب میں قرآن پاک کا ترجمہ و تفاسیر لکھی ہیں اور عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل کا وحیٔ الٰہی کی روشنی میں جس انداز سے حل پیش کیا ہے، وہ ان کا نمایاں امتیاز ہے۔ مغربی فکر و تہذیب سے متاثر نئی نسل مختلف ذہنی اشکالات اور تہذیبِ حاضر کے نت نئے مسائل اور الجھنوں میں گھری ہوئی تھی، جس کو سید مودودیؒ اور سید قطب نے بحسن وخوبی موضوعِ سخن بنایا ہے۔

اس مقالہ میں عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے قرآن مجید کی دو تفاسیر یعنی تفہیم القرآن اور ظلال القرآن کے کردار اور معنویت کا علمی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

### مولانا مودودی: مختصر تعارف

مولانا سید ابو الاعلی مودودی 1321ھ بمطابق 1903ء کو اورنگ آباد، حیدر آباد، ہند میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام احمد حسن تھا اور آپ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ آپ کے جد اعلی کا نام شیخ قطب الدین بن مودود تھا جو کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ مولانا مودودی کے والد نے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ آپ نے اپنے آبائی علاقے میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی اور مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے صحافت کا کام بھی کیا اور 1932ء میں ماہنامہ ترجمان القرآن کا آغاز کیا۔ مولانا مودودی نے 1941ء میں 'جماعت اسلامی' کی بنیاد رکھی اور آپ اس کے امیر منتخب ہوئے۔ آپ کو جیل بھی جانا پڑا اور الزامات بھی لگے، آپ کی وفات 1979ء کو امریکا میں ہوئی اور آپ کو لاہور میں دفن کیا گیا۔

مولانا مودودی بلند پایہ ادیب تھے، انہوں نے بیسیوں کتابیں تالیف کیں۔ انہوں نے تفسیر، سیرت، فقہ، عقیدہ، سیاست، معیشت وغیرہ میں کتابیں لکھیں، ان کی تصانیف میں سے چند یہ ہیں:

تفہیم القرآن ٦ جلد، اسلام کا نظام زندگی، اسلام کا سیاسی نظریہ، خلافت و ملوکیت، اسلامی قانون، اقتصادی مسائل اور ان کا حل اسلام میں، قادیانی مسئلہ، پردہ، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، وغیرہ۔[1]

تفسیر تفہیم القرآن مولانا مودودی کی مشہور تفسیر ہے، آپ نے زندگی میں عظیم کارنامے سرانجام دیے ہیں، ان میں سے ایک بامقصد عظیم اسلامی تحریک کو برپا کرنا، عالمی استعمار کے راستے کو علمی استدلال کی بنیادوں پر روکنا، علمی، فکری اور اصلاحی لٹریچر کا عظیم ذخیرہ امت کو فراہم کرنا اور عالمی اسلامی معتدل فکر کو متعارف کرانا سرفہرست ہیں۔ اس لٹریچر میں ایک گراں قدر تصنیف، تفسیر تفہیم القرآن کی صورت میں قرآن فہمی کی ایک عظیم خدمت ہے، جو امت پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ یہ تفسیر ترجمانِ دین اور دعوت الی اللہ کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس مقالے کا ایک جز اس تفسیر کے دعوتی کردار پر مشتمل ہے۔

## دعوت کا مفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت

دعوت، لغت میں پکار، نصیحت اور کسی کو اپنے مقصد پر ابھارنے کو کہتے ہیں۔ یا یہ وہ کوششیں ہیں، جو کسی خاص ہدف اور عمل کے لیے قولی اور عملی طور پر سرانجام دی جائیں۔ دعوت ایک مشترک لفظ ہے جس کا اطلاق دینِ اسلام پر، اسی طرح اس کی نشر و اشاعت پر اور اس کی طرف دعوت دینے پر بھی ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر **دعوت** کی کئی تعریفات کی گئی ہیں، جن میں ایک **تعریف** یہ ہے:

"لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا، (پہنچانا)، اس کی تعلیم دینا اور عملی زندگی میں اس کی تنفیذ کرنا"۔[2]

دعوت کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے کئی ایک مترادف الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بھی کئی اصطلاحات مستعمل ہیں۔ جس سے دعوت کی اہمیت اچھی طرح واضح ہے۔ اسی طرح دعوت الی اللہ کی اہمیت پر کئی ایک آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ دعوت الی اللہ نہ صرف ایک فریضہ ہے، بلکہ یہ ایک ایسا شرف ہے جو اسے سرانجام دینے والوں کے لیے باعث عزت بھی ہے۔ دعوت دین اور دعوت الی اللہ سعادت کی راہ اور تمام تر کامیابی کی کلید ہے۔ یہ بہت بڑا اور انتہائی عظیم کام ہے۔ یہ نہ کوئی جزوی کام ہے اور نہ کوئی علاقائی، بلکہ اس کا تعلق پوری نسل انسانی اور پوری زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ اس کام کے نتیجہ میں جو بدلہ اور

---

1 اسعد جیلانی، مولانا مودودی کی فکر اور دعوت، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1986ء)، (ملخصًا)19، 46، 47

As῾ad Jīlānī, Maulānā Maudūdī kī Fikr aur D῾awat, Lahore, Islamic Publications (1986 AD) Pg # 19, 46, 47

محمد یوسف بھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں (ادارۃ المعارف الاسلامی، 1984ء)، (ملخصًا)31-24

Muḥammad Yūsuf Bhattah, Maulānā Maudūdī Apnī aur Dūsrun kī Naẓar Main̠, Idārah Al-Mu῾ārif al- Islāmī, (1984 AD), Pg# 24-31

2 محمد ابوالفتح بیانونی، المدخل الی علم الدعوۃ (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1995ء)، 14

Muḥammad Abu al-Fataḥ Bayānūnī, Al-Mudkhal ilā ῾Ilm al-D῾awah, Bairūt, Mu᾿ssisah al-Risālah, (1995 AD), Pg# 14

ثواب ملنے والا ہے، وہ نہایت ہی نادیدہ، ناشنیدہ اور ناقابلِ تصور بھی ہے، جہاں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی پاکیزہ رفاقت نصیب اور اللہ کی رضا حاصل ہو گی۔

{وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ}۔[1]

### دعوت الی اللہ کے مقاصد

دعوت کا کام ایک نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اس کام کو کرتے ہوئے لوگوں کی باتیں سننے کے نتیجہ میں انسان طرح طرح کی نفسیاتی الجھن کا شکار ہو سکتا ہے کہ آخر میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں، جو نتیجہ خیز نہیں ہو رہا ہے؟ اس نفسیاتی الجھن کا جواب قرآن مجید نے ان الفاظ میں دیا ہے:

{لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ}۔[2]

ترجمہ: (تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا انھیں عذاب دینے والا ہے، بہت سخت عذاب؟ انھوں نے کہا تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں)۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

دعوت و تبلیغ کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے، جو اس کی عاقبت کے لیے مفید ہے، بلکہ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی کی اپنی اصلاح بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔[3]

### عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے تفہیم القرآن کی معنویت کا علمی جائزہ

مولانا مودودی نے اردو دان طبقہ اور عام تعلیم یافتہ لوگوں پر خصوصی احسان کیا کہ لفظی ترجمہ قرآن مجید کے بجائے آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا تاکہ ادب کی تند و تیز اسپرٹ، جو قرآن کی اصل عربی عبارت میں بھری ہوئی ہے، وہ متاثر نہ ہو کیونکہ یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی پگھلا دیتی ہے۔ جس کی قوتِ تاثیر کا لوہا اس کے شدید ترین مخالفین تک مانتے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ جادو اثر کلام جو سنے گا، وہ بالآخر نقدِ دل ہار بیٹھے گا۔ یہ سارے فوائد لفظی ترجمہ کے ذریعہ حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس طرح آپ نے عام تعلیم یافتہ لوگوں تک روحِ قرآن اور اس کتابِ عظیم کا حقیقی مدعا پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ آپ نے تفہیم القرآن میں جس انداز کو اپنایا، اس نے لاکھوں دلوں کو متاثر کیا خصوصاً نوجوان طبقے میں قرآن فہمی اور اس پر عمل کرنے کا احساس تیزی سے ابھرا۔

### تفسیری مقام

---

1 التوبۃ، 9:72

Al-Taubah, 9:72

2 الأعراف، 7:164

Al- Aʿrāf, 7:164

3 سید ابوالاعلیٰ مودودی، جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحۂ عمل، (لاہور، جماعت اسلامی)، 61

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Jamāʿat-e-Islāmī kā Maqṣad:Tārīkh aur Lāʾiḥah ʿamal, Lahore, Jamāʿat-e-Islāmī, Pg# 61

قرآن جو الہامی کتابوں میں سے سب سے آخری پیغام ہے اور جو دنیا میں واحد کتاب ربانی ہے جس میں کسی بھی نوعیت کا ردوبدل، ترمیم و اضافہ اور حک ّو تحریف نہیں ہوئی، انسانیت کے لیے واحد اور حقیقی دستور حیات ہے۔ اس دستور حیات کی تشریح جس دل نشین، عام فہم مگر علمی وقار و معیار کو ملحوظ رکھ کر سید مودودیؒ نے کی ہے، وہ لاجواب ہے اور اہل علم کے لیے انمول اور بے بہا خزینہ ہے۔ "تفہیم القرآن" کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی ہے، وہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ قرآنی تفاسیر کے درمیان تفہیم کا مقام اہل علم و نظر کے نزدیک بہت بلند ہے۔

1980ء کے عشرے سے "سروسز بک کلب" سکیم کا سب سے بڑا فائدہ دینِ اسلام کی یہی تفہیم تھی جو مولانا مودودی کی چھ جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس کتاب کے توسط سے مسلح افواج کے افسروں کو اپنی قومی زبان میں قرآن حکیم کے متن اور اس کے ترجمے اور تفسیر سے روشناس کروایا گیا۔ فوج کی پروفیشنل غیر مرئی اخلاقیات میں مولانا مودودی کی اس تفسیر نے ایک زبردست کیٹالسٹ (Catalyst) کا کام کیا۔ اس تفسیر کے توسط سے اسلام کی بنیادی تعلیمات غیر محسوس طریقے سے فوجی افسروں میں راہ پانے لگیں۔ حضرت مودودی کا طرزِ تحریر بھی دل میں گھر کر جانے والا تھا اور فوجی افسروں کو بطورِ خاص اس لئے بھی اپیل کرتا تھا کہ اس میں تعقّل (Reasoning) اور تجزیئے (Analysis) کو کسوٹی بنا کر قرآن کریم کے موضوعات کی تشریح کی گئی تھی۔ ہر سورہ کا زمانۂ نزول، اس کا شانِ نزول، مباحث و موضوعات اور پھر رکوع وار ترجمہ اور تفسیر اس قدر مدلل تھی کہ بار بار تلاوت کرنے اور پڑھنے کے بعد بھی جی کو سیری نہیں ہوتی تھی۔

### تفسیر کے ضمن میں تاریخی پسِ منظر اور بیانِ مضامین

مولانا مودودیؒ کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ ہر سورت کے نزول کا جو تاریخی پسِ منظر بیان کرتے ہیں اور جو مضامین زیر بحث لاتے ہیں ان کی سپورٹ میں مشرق و مغرب کے حکماء اور فلاسفہ کے حوالے کوٹ (Quote) کرتے چلے جاتے ہیں۔ پڑھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ مفسر اور مترجم کا مبلغ فہم و فراست کس پائے کا ہے۔ ان کے دلائل قاری کے دل میں براہینِ قاطعہ کی طرح اتر جاتے ہیں۔ ایک اور لطف یہ بھی ہے کہ قاری کے سینے میں اخذِ معلومات کی مزید جوت بھی جگاتے جاتے ہیں۔[1]

### مولانا مودودیؒ اور بیسویں صدی کا استعمار

بیسویں صدی مغربی استعمار کی صدی ہے، اس کا اپنا ایک الحادی فلسفہ تھا، جس نے دنیا کی تہذیب کو بری طرح مسلسل روند ڈالا۔ اس تہذیب میں مذہب کو انسانی زندگی سے نکالنے کی ہر سو کوششیں ہو رہی تھیں اور انسانوں کو مذہب سے بیزار کیا جا رہا تھا۔ اسی دور میں برصغیر کے اندر برطانوی استعمار نے مسلم تہذیب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ لیکن ہر فرعون کے لیے موسیٰؑ کے مصداق سید مودودیؒ بیسوی صدی کے مؤثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے۔ ان کی مؤثر دعوت، فکر، سوچ اور ان کی تصانیف نے نہ صرف برصغیر کو بلکہ پوری دنیا کی اسلامی تحاریک کے ارتقاء میں گہرا اثر ڈالا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی زندگی بھر تجدید و احیائے دین کے لیے کوشاں رہے۔ ایک باشعور صاحب فکر کی طرح انہوں نے اپنی تاریخ پر تنقیدی نظر ڈالی، اس کا تجربہ کیا اور ایک راہ عمل متعین کرنے کی کوشش کی۔ ان مساعی کا نتیجہ جماعت اسلامی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

---

1 https://dailypakistan.com.pk/Columnist/711 (dated 22-15-2021,3PM)

### بیسویں صدی میں اسلام کی مؤثر دعوت اور تفہیم القرآن

جس طرح مولانا مودودیؒ نے عالمی اسلامی تحریکات کو روح اور جذبہ مہیا کرکے مغرب و مشرق میں عالمی الحادی استعمار کا راستہ روکا اور مؤثر دلائل سے اس کا مقابلہ کیا، اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے برجستہ اسلوبِ دعوت کو اختیار کیا، جس سے قاری کے دل ودماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ بطورِ خاص جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے اس اندازِ اسلوب کو نہایت سراہا اور دین اسلام پر ان کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوا۔ بطورِ ملخص تفہیم القرآن کے مقدمہ سے چند باتیں نقل کی جاتی ہیں:

1. خداوند عالم نے جو ساری کائنات پیدا کی، اس میں سے زمین میں انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفہ بنا کر تمام تر سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے مالامال کیا۔
2. کرۂ ارض پر انسان نہ خود مختار ہے، نہ دوسروں کا غلام وبندہ، بلکہ اللہ کے سوا کوئی اس کی بندگی وپرستش کا مستحق نہیں۔
3. انسانی زندگی کا آغاز دنیا پر مکمل روشنی میں ہوا، تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ انسان پیغمبروں کی تعلیمات سے تعصبات اور خواہشات نفس کی وجہ سے دور ہوتا ہوا غلط فلسفوں کو گھڑنے اور دنیا کو ظلم سے بھرنے کا سبب بنا۔
4. انسانوں کو ہدایت سے نوازنے کا وعدہ نبھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو صحیفوں کے ساتھ بھیجتا رہا، تاکہ انسانوں کو راہِ راست کی طرف دعوت دیں۔
5. تمام پیغمبروں کا مشن ایک ہی تھا یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دینا۔
6. انسانوں کا آخری نجات دہندہ سرزمین عرب میں آیا جنہوں نے تمام انسانوں کو مخاطب کیا اور ماننے والوں کو منظم کرتے ہوئے دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی اور دعوت وہدایت کی کتاب قرآن آپ پر نازل ہوئی۔[1]

**سید مودودی صاحب اسی مقدمہ میں لکھتے ہیں:**

’’قرآن ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے، جس نے آتے ہی خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے بھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر وفسق وضلالت سے اس کو ٹکرا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور صاحبانِ حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کرکے خلافت الٰہیہ کے قیام تک پورے 23 سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی راہنمائی کرتی رہی اور حق وباطل کی اس طویل وجان گسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اسی نے تحریک کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے‘‘۔[2]

---

1 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن)، 1:17–19
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Lahore, Idārah Tarjmān al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 17-19

2 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 1:17–19
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 17-19

اللہ تعالی کے ارشاد:

{ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ }[1]

کی بنیاد پر حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب قیادت اور زمام کار کو ہاتھ میں لینے کی مدعی ہے، بے شک بین الاقوامی نہ سہی۔

مزید لکھتے ہیں:

در حقیقت اس کا صحیح عملی طریقہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جن افکار اور نظریات اور اصولوں پر یہ تحریک انسانی زندگی کو قائم کرنا چاہتی ہے، انہیں پوری قوت کے ساتھ خود اس ملک میں پیش کیا جائے، جہاں سے اس کی دعوت اٹھی ہو۔[2]

**اقامت دین کی دعوت**

قرآن مجید انسانوں کی راہنمائی کے لیے آیا ہے، لیکن اس کی راہنمائی انسانوں کو تب ملتی ہے، جب اس کی اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کی جائے۔

اس سلسلے میں قرآن کی دعوت کو اجاگر کرتے ہوئے سید مودودیؒ {أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ}[3] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام جب کبھی دنیا میں آئے، انہیں اور ان پر ایمان لانے والے لوگوں کو خدا کے باغی و سرکش بندوں سے سخت مقابلہ پیش آیا اور انھوں نے اپنی جانیں جوکھوں میں ڈال کر باطل طریقوں کے مقابلہ میں دین حق کو قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ اس دین کا راستہ کبھی پھولوں کی سیج نہیں رہا کہ اٰمنّا کہا اور چین سے لیٹ گئے۔ اس "اٰمنّا" کا قدرتی تقاضا ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ آدمی جس دین پر ایمان لایا ہے، اسے قائم کرنے کی کوشش کرے اور جو طاغوت اس کے راستے میں مزاحم ہو، اس کا زور توڑنے میں اپنے جسم و جان کی ساری قوتیں صرف کر دے"۔[4]

اسی طرح مولانا مودودی صاحب دین کے جامع تصور کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عربی زبان میں دین کے معنی "اطاعت" کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ نظامِ زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اس کے احکام و قوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔ پس دین کی اس تشریح سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی وہ حالت، جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی و فرماں روائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے، فتنے کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمح نظر یہ ہے کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو، جس میں بندے صرف قانون الٰہی کے مطیع بن کر رہیں۔[5]

**بندگی اور غلامی کا جامع و صحیح تصور**

---

1 التوبۃ،33:9

Al-Taubah, 9:33

2 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 36:1

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 36

3 البقرۃ،214:2

Al-Baqarah, 2:214

4 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 163:1–164

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 163-164

5 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 151:1

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 151

سید مودودیؒ "ایاك نعبد وایاك نستعین" کی تفسیر کے بیان میں لکھتے ہیں:

"عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

1-پوجا اور پرستش

2-اطاعت اور فرمانبرداری

3-بندگی اور غلامی

اس مقام پر تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں۔یعنی ہم تیرے پرستار بھی ہیں، مطیع فرمان بھی اور بندہ و غلام بھی۔۔۔اور ان تینوں معنوں میں سے کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے۔[1]

**قرآن مجید: ایک جامع دستور العمل**

قرآن مجید پوری زندگی کے لیے ایک جامع دستور العمل دیتا ہے اور ماننے والوں کو اس پر مخلصانہ طور پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔سید مودودی صاحب اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

زندگی کے ہر شعبہ میں خیال، عمل اور برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتایا جو بالکل صحیح ہو، جس میں غلط بینی اور غلط کاری اور بدانجامی کا خطرہ نہ ہو، جس پر چل کر ہم سچی فلاح و سعادت حاصل کر سکیں۔[2]

گویا سید صاحب کے مطابق عقیدہ اور نظریہ، عملی زندگی کی راہنمائی اور ساتھ ہی سلوک یعنی انسانوں سے برتاؤ کے تمام احکامات کا سرچشمہ قرآن مجید ہے جو ایک مکمل دستورِ حیات ہے۔

**دعوت الی العقیدہ کا عقلی انداز**

قرآن مجید آفاق و انفس اور زمینی حقائق کے دلائل اور شہادتوں کا سہارا لے کر انسانوں کو عقیدۂ توحید کی طرف بلاتا ہے اور انسانی عقل و شعور کے تمام ادراکات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔سید صاحب اس کتابِ مجید کی ترجمانی کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی بداعتقادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تمہاری یہ یہودیت اور یہ نصرانیت بہر حال تورات اور انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اور ابراہیم (علیہ السلام) جس مذہب پر تھے وہ بہر حال یہودیت یا نصرانیت تو نہ تھا۔ پھر اگر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) راہ راست پر تھے اور نجات یافتہ تھے تو لامحالہ اس سے لازم آتا ہے کہ آدمی کا راہ راست پر ہونا اور نجات پانا یہودیت و نصرانیت کی پیروی پر موقوف نہیں ہے"۔[3]

**عقیدۂ رسالت کا جامع اور عقلی تصور**

---

1 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 45:1
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 45

2 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 45:1
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 45

3 سید ابوالاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 1:262-263
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 262-263

سید صاحب{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ}[1] کی تفسیر میں ایمان بالرسول کے تقاضے کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خدا کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا ہے کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اسی کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے، تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے۔ اگر کسی نے یہی نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔[2]

یہ وہ تقاضا ہے جو اگلی آیت سے متشرح ہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا:

اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں"۔[3]

## مولانا مودودی صاحب کی نظر میں دعوت کی اہمیت

قرآن مجید کتابِ دعوت ہے، جو انسانی زندگی کو سنوارنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال تک اس کی دعوت کو پھیلاتے ہوئے اپنے صحابہ سمیت ہر طرح سے مشکلات کو انگیز کیا اور مشرکین مکہ سے کشمکش میں رہے۔ سید مودودی صاحب لکھتے ہیں:

صلح حدیبیہ سے پہلے تک مسلمانوں کے راستے میں ایک بڑی روکاٹ یہ تھی کہ وہ کفار قریش کے ساتھ ایک مسلسل کشمکش میں الجھے ہوئے تھے اور انہیں اپنی دعوت کا دائرۂ کار وسیع کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس رکاوٹ کو حدیبیہ کی ظاہری شکست اور حقیقی فتح نے دور کر دیا۔ اس سے ان کو نہ صرف یہ کہ اپنی ریاست کے حدود میں امن میسر آگیا، بلکہ اتنی مہلت بھی مل گئی کہ گرد و پیش کے علاقوں میں اسلام کی دعوت کو لے کر پھیل جائیں، چنانچہ اس کا افتتاح نبی کریم ﷺ نے ایران، روم، مصر اور عرب کے بادشاہوں اور رئیسوں کو خطوط لکھ کر کیا اور اس کے ساتھ ہی قبیلوں اور قوموں میں مسلمانوں کے داعی، خدا کے بندوں کو اس کے دین کی طرف بلانے کے لیے پھیل گئے۔[4]

## دعوت کی حکمتیں اور تقاضے

قرآن مجید جو کتابِ دعوت ہے، اس کے تقاضوں اور حکمتوں کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جس کے بارے میں سید صاحب {ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ}[5] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1 النساء،64:4

Al-Nisāʾ, 4:64

2 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن،268:1

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 268

3 النساء،65:4

Al-Nisāʾ, 4:65

4 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن،364-435:1

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 435-436

5 النحل،125:16

Al-Naḥal, 16:125

"قرآن مجید کی دعوت میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہئیں۔ ایک حکمت۔ دوسری عمدہ نصیحت۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں"۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

یعنی اس کی نوعیت محض مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریف مقابل کو چپ کر دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو، اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو، معقول اور دل لگتے دلائل ہوں، مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے، سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔[1]

**دعوت میں مناظرہ بازی سے اجتناب**

دعوت کو نتیجہ خیز بنانا مؤمن کا قیمتی کام اور اہم ذمہ داری ہے اور جو وقت اس میں صرف ہوتا ہے وہ نہایت قیمتی ہے، اسے ضیاع سے بچایا جائے۔ سید صاحب وَلَكِنْ ذِكْرَى[2] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ خدا کی نافرمانی سے خود بچ کر کام کرتے ہیں ان پر نافرمانوں کے کسی عمل کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس بات کو اپنے اوپر فرض کر لیں کہ ان نافرمانوں سے بحث و مناظرہ کر کے ضرور انہیں قائل کر کے ہی چھوڑیں گے، اور ان کے ہر لغو و مہمل اعتراض کا جواب ضرور ہی دیں گے، اور اگر وہ نہ مانتے ہوں تو کسی نہ کسی طرح منوا کر ہی رہیں گے۔ ان کا فرض بس اتنا ہے کہ جنہیں گمراہی میں بھٹکتے دیکھ رہے ہوں، انہیں نصیحت کریں اور حق بات ان کے سامنے پیش کر دیں۔ پھر اگر وہ نہ مانیں اور جھگڑے اور بحث اور حجت بازیوں پر اتر آئیں تو اہل حق کا

---

1 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 2:581-582
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 2, Pg# 581-582

2 الانعام، 6:69

Al-Anʿām, 6:69

یہ کام نہیں ہے کہ ان کے ساتھ دماغی کشتیاں لڑنے میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کرتے پھریں۔ ضلالت پسند لوگوں کے بجائے انہیں اپنے وقت اور اپنی قوتوں کو ان لوگوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تلقین پر صرف کرنی چاہیے جو خود طالب حق ہوں"۔[1]

ایک دوسری جگہ دعوت میں بحث و مناظرہ میں جوشیلے پن سے بچنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نہ نصیحت نبی کریم ﷺ کے پیرووں کو کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ بھی اپنے سے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظرے اور بحث و تکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور ان کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک نوبت پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔[2]

**داعی کا منصب اور ذمہ داری**

داعی کا وقت اور توانائی نہایت قیمتی ہے، محض مناظرہ بازی اور کج بحثی میں اس کو ضائع نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس طرح کسی پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے سید صاحب وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ[3] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تمہیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کردو اور اظہارِ حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ تمہاری ذمہ داری و جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمہارے حلقۂ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا بنایا جائے۔ پس تمہارے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمھیں دکھا دی گئی ہے، اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو۔ جس انجام بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں، اس کی طرف جانے کے لیے انہیں چھوڑ دو"۔[4]

آیت الکرسی کی متصل بعد والی آیت {لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ}[5] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

1 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 1:549–551
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 549-551

2 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 1:571
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 571

3 الانعام، 6:107
Al-Anʿām, 6:107

4 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 1:570
Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 570

5 البقرۃ، 2:256
Al-Baqarah, 2:256

یہاں" دین" سے مراد اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ عقیدہ ہے جو اوپر آیت الکرسی میں بیان ہوا ہے اور وہ پورا نظامِ زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اسلام "کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جاسکتا۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جاسکے۔[1]

بحوالہ ابن کثیر سید مودودی صاحب اس آیت کے شان نزول کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ:

" کسی شخص کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو کیونکہ وہ اس قدر بین وواضح ہے اور اس کے دلائل وبراہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ نے جس شخص کو ہدایت دی ہو اور جس کا سینہ قبولِ حق کے لیے کھول دیا ہو اور جس کو بصیرت کا نور عطا کیا ہو، وہ دلیل واضح کی بنا پر اسے خود اختیار کرے گا اور جس کی سماعت وبینائی پر مہر کردی ہو، اس کا زور زبردستی سے دین میں داخل ہونا بیکار ہے"۔[2]

## دعوت و تبلیغ کا اصل الاصول

اسلام نے اپنی کمزوری کے زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں زبان سے روکنے پر اکتفا کیا لیکن جب طاقت آگئی تو مذہبی آزادی {لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ} کا اصول برقرار رہا اور دیگر منکرات، بدکاری، شراب نوشی، فتنہ وفساد کی ہرگز آزادی نہیں دی گئی، بلکہ نہی عن المنکر میں تو دعوت و تبلیغ کے ساتھ تلوار بھی شامل ہوگئی اور اس نے تمام دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کردینے کا بیڑا اٹھالیا، خواہ دنیا اس پر راضی ہو یا نہ ہو، لیکن امر بالمعروف کے دائرہ میں وہی {لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ} کا اصول برقرار رہا۔

اسلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت میں وہ دنیا کے لیے اللہ کا قانون ہے۔ دوسری حیثیت میں وہ نیکی وتقویٰ کی جانب ایک دعوت اور پکار ہے۔ پہلی حیثیت کا منشا دنیا میں امن قائم کرنا، اس کو ظالم وسرکش انسانوں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچانا اور دنیا والوں کو اخلاق وانسانیت کے حدود کا پابند بنانا ہے جس کے لیے قوت وطاقت کے استعمال کی ضرورت مسلم ہے۔ لیکن دوسری حیثیت میں وہ قلوب کا تزکیہ کرنے والا، ارواح کو پاک صاف کرنے والا، حیوانی کثافتوں کو دور کرکے بنی آدم کو اعلیٰ درجہ کا انسان بنانے والا ہے جس کے لیے تلوار کی دھار نہیں بلکہ روحوں کی اسیری درکار ہے۔ اگر کوئی شخص سر پر تلوار چمکتی ہوئی دیکھ کر لا الہ الا اللہ کہہ دے مگر اس کا دل بدستور ماسوا اللہ کا بت کدہ بنا رہے، تو دل کی تصدیق کے بغیر یہ زبان کا اقرار کسی کام کا نہیں، اسلام کے لیے اس کی حلقہ بگوشی قطعاً بیکار ہے۔[3]

## سید قطب کا تعارف اور علمی مقام ومرتبہ

---

1 سید ابو الاعلیٰ مودودی، مقدمہ تفہیم القرآن، 196:1

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Muqaddamah Tafhīm al-Qurʾān, Vol 1, Pg# 196

2 سید ابو الاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 2007ء)، 158

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Al-Jihād Fi Al-Islām, Lahore, Idārah Tarjmān Al-Qur ʾān, (2007 AD), Pg# 158

3 سید ابو الاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، 165

Sayed Abu-Al-Aʿlā Maudūdī, Al-Jihād Fi Al-Islām, Pg# 165

سید قطب رحمہ اللہ ۱۹۰۲ء میں مصر کے ایک صوبہ "اسیوط" کے ایک گاؤں "موشاء" میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی قطب ابراہیم اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ دونوں عربی النسل تھے۔ یہ دراصل ہندوستانی ہیں کیونکہ ان کے اجداد میں سے چھٹی پشت میں فقیر عبد اللہ ہندوستان میں رہتے تھے۔ بیت اللہ کی مجاورت اور پڑوس کے حصول کے لئے وہاں سے ہجرت کی اور اس کے بعد واپس پلٹ کر نہیں گئے، سید قطب اپنے والدین کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ سید قطب کے والد ابراہیم قطب، مصر کے مشہور رہنما مصطفٰے کامل پاشا (وفات 1874ء/1908ء) کی تحریک 'حزب الوطنی' سے متاثر تھے، جو مصر کی آزادی اور مغربی سامراج کی غلامی سے نجات کے لیے متحرک تھی۔ چند برسوں بعد یہ خاندان گاؤں چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بستی حلوان میں آباد ہو گیا۔[1]

## تعلیمی سفر

آپ نے ثانوی تعلیم "تجہیزیہ دارالعلوم" نامی ایک اسکول میں حاصل کی۔ اس اسکول میں طلباء کو دارالعلوم میں داخلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ ۱۹۲۹ء میں قاہرہ کے دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے بی۔ اے کی ڈگری اور ڈپلومہ ان ایجوکیشن حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے محکمہ تعلیم میں بحیثیت انسپکٹر تعلیم ملازمت اختیار کر لی اور 1952ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران 1954ء میں آپ اخوان المسلمون سے متعارف ہوئے اور 2 جولائی 1954ء میں آپ کو اخوان کے شعبہ نشر و اشاعت نے اخبار "الاخوان المسلمون" کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ شہید اسلام سید قطب رحمہ اللہ 1954ء سے لے کر 1964ء تک جیل میں رہے اور اگست میں عبد السلام عارف صدر عراق کی کوشش سے رہا ہوئے۔ رہا ہوتے ہی پوری دنیا کے نوجوانوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کا لٹریچر جنگل کی آگ کی طرح پوری دنیا میں پھیلنے لگا۔ چنانچہ لادین مغرب پرست کمیونسٹ اور سوشلسٹ عناصر چیخ اٹھے اور بیک وقت ماسکو اور واشنگٹن سے ان کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ چنانچہ آپ کو ایک سال بعد اگست 1965ء میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور ایک سال بعد 29 اگست 1966ء میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

## تصانیف

سید قطب رحمہ اللہ نے بے شمار اور مختلف موضوعات پر کتب تحریر میں لائی ہیں، جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کے لٹریچر پر پابندی تھی، باوجود اس کے آپ بعد میں آنے والوں کے لیے درجنوں تصنیفات چھوڑ کر گئے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

النقد الأدبي، أصوله ومناهجه، العدالة الاجتماعية في الإسلام ، معركة الاسلامي والرأسمالية، خصائص التصور الإسلامي ومقوماته، فقه الدعوة، طريق الدعوة في ظلال القرآن، الجهاد في سبيل الله، الإسلام أو لا إسلام، رسالة الصلاة، والتصوير الفني في القرآن، ومشاهد القيامة في القرآن، والمستقبل لهذا الدين، وفي ظلال القرآن، ومعالم في

---

1 زرکلی، خیر الدین بن محمود، الأعلام، دار العلم للملایین، س ۲۰۰۲ء، 147:3
Zarkalī, Khair al-Dīn bin Mahḥmūd, Alaʿlām, Dār al-ʿilm Li al-mulayīn, (2002 AD), Vol 3, Pg# 147

الطريق، طفل فى القرية، المدينة المسحورة، القصص الدينية للأطفال، العدالة الإجتماعية في الإسلام، دراسات إسلامية، هذا الدين ، الإسلام ومشكلات الحضارة وغير ذلك.[1]

**شہادت**

جمال ناصر کے دور میں جب آپ کو گرفتار ہوئے تقریبا 10 سال ہو چکے تھے، مصری حکومت نے یہ پیشکش کی کہ آپ چند سطور لکھ دیں جن میں مصری حکومت سے معافی کی درخواست کی گئی ہو۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ باطل سے معافی مانگ لے۔ اگر میری گرفتاری قدرت کی طرف سے ہے تو میں اسی میں خوش ہوں اور اگر میری گرفتاری باطل کی طرف سے ہے تو میں باطل سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے ہرگز تیار نہیں"۔

اس کے بعد آپ پر ظلم و ستم کا سلسلہ مزید تیز کر دیا گیا، بالآخر اسلام کے اس عظیم مفکر، داعی اور مفسر قرآن کو ان کی شہرہ آفاق کتاب "معالم فی الطریق" لکھنے پر مصری حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کے بے بنیاد الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور 25 اگست 1966ء کو پھانسی دے دی گئی۔[2]

**عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے فی ظلال القرآن کی معنویت کا علمی جائزہ**

جہاں تک تعلق ہے تفسیر فی ظلال القران کا عصر حاضر میں فرد اور معاشرے کی اصلاح میں دعوتی و اصلاحی کردار تو اس حوالے سے سید قطب نے خود واضح کیا ہے کہ ان کا اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد تفسیری ذخیرہ میں کسی نئی تفسیر کا اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ ان بنیادی اہداف و مقاصد کا حصول ہے جو اس کتاب ہدایت کے نزول سے عالم دنیا کے افراد، جماعتوں اور معاشرے سے مطلوب و مراد تھے اور وہ یہ کہ اس انسان کو ہر ایسی خیر بھلائی کی طرف دعوت دی جائے جو اس کو دنیا و آخرت میں سعادت کا ذریعہ بنا سکے، اور ہر اس برائی سے اجتناب کی دعوت دی جائے جو اس کی دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کا سبب بنے۔ اسی طرح کسی بھی انسان کی ایسی کامل و متوازن فکری و اخلاقی تربیت کہ جس سے وہ چلتا پھرتا قرآن نظر آئے۔ قرآنی تربیتی منہجی تعلیمات کی بنیاد پر ایک ایسے اسلامی معاشرے کا قیام کہ جس کو باقی معاشروں کے مقابل میں ایک امتیاز اور خصوصیت حاصل ہو۔ جاہلیت سے مقابلے کے لئے اس امت کو قیادت، جہاد اور اسلحہ کی تیاری کرنے کی ترغیب اور دشمن اور اس کے اہداف و مقاصد کی آگاہی کرنا۔ اس حوالے سے قرآن کریم اپنے ان اہداف میں کامیاب بھی ہوا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت میں ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے قرآن کریم کو صرف تلاوت اور معلومات کا ذریعہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بھی بنایا ہے کہ جس سے وہ قرآن کریم کے نزول کے اہداف کو حاصل کر پائے جو اللہ تعالی کو مطلوب تھے۔[3]

---

1 عبداللہ الخباص، سید قطب الأدیب والناقد (اردن، مکتبۃ المنار، 1983)، 361
ʿAbdullah Al-Khabbāṣ, Sayed Quṭab Al-Adīb wa al-Nāqid, Urdan, Maktabah Al-Manār, (1983 AD), Pg# 361

2 سید کشمیری، عبقری الاسلام سید قطب، 169
Syed Kashmīrī, ʿAbqarī Al-Islām Sayed Quṭab, Pg# 169

3 سید قطب، معالم فی الطریق، (بیروت، دار الشرق)، 13
Sayed Quṭab, Mʿālim Fi Al-Ṭarīq, Bairūt, Dār al-Sharq, Pg# 13

اسی حوالے سے جب ہم فی ظلال القران کا مطالعہ کرتے ہیں تو سید قطبؒ کے پیش نظر بھی یہی قرآنی اہداف تھے جن کے تحت وہ اپنی اس تفسیر کو تحریر میں لائے، جیساکے انہوں نے ایک مقام پر قرآن کریم کے نزول کے سابقہ ذکر کردہ اہداف کا تذکرہ کرتے ہوے فرمایا:

یہ کتابِ الٰہی انہی ذکر کردہ امور واہداف کی دعوت دیتی ہے اور یہی اس کی روح، ترجمانی، دستور اور منہج ہیں۔[1]

اللہ تعالی نے سید قطب شہیدؒ کو متنوع صلاحیتوں سے مالامال کیا تھا اور قرآن کا ایسا فہم اور دین کی ایسی بصیرت کے ساتھ ساتھ فکر کی ایسی بلندی، ذہن کی ایسی زرخیزی عطا فرمائی تھی کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ ایک بے مثال اور زبردست مفسر قرآن تھے۔ ان کا شمار امت مسلمہ کی ان چندبرگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے تاریک ادوار میں روشنی کے چراغ جلائے اور اسلامی نظامِ زندگی کو اپنے خون سے سینچا۔

ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' نہ صرف پہلی تحریکی ودعوتی تفسیر ہونے کی وجہ سے عربی تفاسیر میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے، بلکہ اس تفسیر میں عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے چند اہم خصوصیات اور معنوی کردار بھی پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہی اس کو دعوتی رجحان پر مشتمل تفسیر کہا جاتا ہے، ہم یہاں فی ظلال القران کے مطالعہ سے سید قطب کے عصر حاضر میں دعوت کے مؤثر ہونے میں معنوی کردارواسلوب و منہج کو مندرجہ ذیل نکات میں ذکر کرتے ہیں:

**عصر حاضر میں مسلمانوں کی قرآن کریم سے دوری کا ازالہ کرنا**

سید قطبؒ نے جب دیکھا کہ عصر حاضر کے مسلمانوں اور قرآن کریم میں بُعد اور دوری پیدا ہو رہی ہے تو سوچا کہ کیوں نا ایسی تفسیر تحریر میں لائی جائے جس کے ذریعے موجودہ دور کے مسلمانوں کی قرآن کریم کے حوالے سے جو خلا اور دوری پیدا ہو رہی ہے اس کا ازالہ کیا جاسکے، تاکہ لوگ قرآن میں ذکر کردہ علمی خزانے سے آگاہ ہو سکیں اور اس قرآن کریم کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں، وہ ادا ہو سکیں اور اس تفسیر کے مطالعے کے بعد لوگ بالواسطہ قرآن کریم کا مطالعہ کر سکیں۔ جیساکہ انہوں نے اس حوالے سے اپنی تفسیر میں ایک مقام پر تذکرہ بھی فرمایا ہے۔[2]

سید قطب عصر حاضر کے مسلمانوں کے لیے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن کو ایک ضرورت سمجھتے تھے کہ جس کے مطالعہ سے مسلمان قرآنی تعلیمات کی اہمیت کو سمجھ سکیں گے، کیونکہ آج کا مسلمان اس طرح قرآنی تعلیمات کی فضاؤں میں زندگی نہیں گزار رہا جس طرح سلف صالحین گزارتے تھے۔[3] اسی لیے آپ اپنی اس تفسیر میں سابقہ مفسرین کی طرح فقہی، کلامی، نحوی، بلاغی وغیرہ مسائل پر تفصیلی گفتگو نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں اس سے قرآن کا اصل پیغام اور اس کے نزول کا مقصدِ حقیقی فوت ہو جاتا ہے۔

**عصر حاضر میں مسلمانوں کو قرآن کریم کے بنیادی عملی و تحریکی مقصد سے آگاہی کروانا**

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن(مصر، دار إحیاء الکتب العربیہ)، 1:348
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Miṣr, Dār Iḥyāʾ al-Kutub Al-ʿArabiyyah, Vol 1, Pg# 348

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4:2039
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4, Pg# 2039

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4:2041
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4, Pg# 2041

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہوئے قرآن کریم کے طبعی واساسی نزول کے مقاصد کی طرف توجہ دلوائی۔ وہ یہ کہ قرآن ایک زندہ و جاوید جہادی و تحریکی کتاب ہے کہ جس کے اہتمام سے معاشرے میں جہالت سے مقابلہ کر کے اس کا خاتمہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس جہاد کے لیے جس منہج اور اسلوب کو اپنانا ہے، اس کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ بالخصوص اس حوالے سے قرآن کریم کے نزول کے وقت جو احوال وظروف تھے، ان سے آگاہی لازمی ہے تاکہ قرآنی نص کے معنی کا صحیح تعین ہو سکے اور پھر ان کو سامنے رکھتے ہوئے جب کبھی بھی اس طرح کے احوال وظروف پیدا ہوں تو ان خرابیوں کا سدباب کیا جا سکے۔[1]

**مسلمانوں کو مطلوبہ قرآنی اسلامی معاشرے پر تحریری و عملی گائیڈ لائن فراہم کرنا**

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فی ظلال القرآن میں تفسیر کرتے ہوئے سب سے اہم بات جس کا اہتمام کیا ہے، وہ قرآن کریم کے معانی کے عملی پہلوؤں اور ان جوانب کی طرف اشارات ہیں جو عالمین کو معاشرے میں دعوت واصلاح کے لیے کارگر ثابت ہو سکیں۔ اسی لیے سید قطب اپنی اس تفسیر میں قاری کو اور اپنے آپ کو قرآن کریم کے عملی و تحریکی جانب پر اہتمام کرنے کے حریص دکھائی دیتے ہیں، ہاں اگر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں تو اس کے تحریکی وجہادی پہلوؤں کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اسی طرح سابقہ مفسرین کی مباحث کو اپنی تفسیر میں جگہ اس لئے بھی نہیں دیتے کہ اس سے تکرار لازم آتا ہے، اس کے بجائے کسی نئی بات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔[2]

اسی لیے انہوں نے اپنی اس تفسیر میں کئی آیات کریمہ کی تفسیر میں ان تفصیلات کا تذکرہ نہیں کیا جو کہ عموماً دوسری تفاسیر میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً: قول اللہ تعالی:

{أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ}[3]

اب یہ کہ یہ نکلنے والے کون تھے؟ اور کس زمانے میں نکلے؟ کس زمین سے نکلے؟ اس طرح کی تفصیلات کے ذکر کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ اس سے قرآن کا بنیادی مقصد فوت ہو جاتا ہے، اور وہ ہے دعوت واصلاح۔[4]

اسی طرح احکام کے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے متعلقہ فقہی مسائل کے ذکر کرنے میں تفصیلات کی طرف نہیں جاتے بلکہ اس سے متعلقہ حکمتیں، علتیں اور دعوتی و معاشرتی اصلاحی توجیہات ذکر کرتے ہیں۔[5]

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4:2121-2122
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4, Pg # 2121-2122

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:6
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 6

3 البقرۃ، 2:243
Al-Baqarah, 2: 243

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:263
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 263

5 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:264؛ 3:1370، 1397، 1531، 1518، 1519
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 264, Vol 3, Pg# 1370-1397-1518-1519-1531

**مربوط اسلامی قرآنی تربیت کی فراہمی جس سے باأثر اسلامی شخصیات پیدا ہو سکیں**

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے عصر حاضر میں اسلام کی مؤثر دعوت کے لئے جس اسلوب کو اختیار کیا یا وہ اہداف جن کے تناظر میں اس تفسیر کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی مسلمان کی ایک ایسی مربوط اسلامی قرآنی تربیت کرنا جس سے ایک باأثر اسلامی اور ممتاز کردار کی حامل شخصیت پیدا ہو سکے۔ اس حوالے سے سید قطب نے کچھ خصوصیات اور عوامل بھی ذکر کیے ہیں جو اس شخص کو باأثر اور ممتاز بنانے میں کارگر ثابت ہو سکیں، اور پھر لکھا کہ حقیقت میں یہی مسلمان کسی بھی معاشرے میں ایک اچھے اثرات چھوڑتا ہے، اور ایک قرآنی فکر و تصور اور سلوک رکھنے کی وجہ سے دوسروں کے لیے نمونہ بنتا ہے۔ اس لیے ایک مسلم کو اپنے ایمان وعقیدہ میں اصلاح اور اس کے تقاضے یعنی عملی زندگی پر زور دینا چاہیئے۔

اس کے بعد سید قطب رحمۃ اللہ علیہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ عصر حاضر کا مسلم خارج میں ایک تحریکی و داعی کردار ادا کر سکے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک مسلم کو اللہ تعالی کے ساتھ مضبوط تعلق بنانے اور اس پر توکل اور اس کے وعدوں پر یقین اور صبر کی بھی دعوت دیتے ہیں، کہ جس سے وہ اس مقام تک پہنچ پائے جو اللہ تعالی کو مطلوب ہے۔[1]

**ایک اسلامی معاشرے کی خصوصیات و امتیازات**

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر قائم مدینہ منورہ کے اس پہلے معاشرے کے قیام اور اس کی خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے عصر حاضر میں ایک ایسے ہی قرآنی اسلامی معاشرے کے قیام کی دعوت دی ہے اور جابجا اپنی اس تفسیر میں اس کی خصوصیات اور امتیازات بیان کی ہیں، تاکہ قرآنی تعلیمات اور اس کے مبادی پر مشتمل ایک واقعی معاشرہ وجود میں آسکے۔

اس حوالے سے سید قطب اس تفسیر کے مقدمے میں اپنی اس تفسیر کے تحریر میں لانے کے مقاصد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس زمین پر اصلاح، راحت وسکون، رفعت وبرکت اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنے میں ہی ممکن ہو سکتی ہے اور اس رجوع سے مراد اللہ تعالی کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور اس کی کتاب قرآن کریم کے مطابق فیصلے کرنا ہیں"۔[2]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"موجودہ دور میں لازم ہے کہ امت مسلمہ اپنا ایک خاص مقام وتصور رکھتی ہو جو اس کو دوسروں سے ممتاز رکھے، ایسا کیوں نہ ہو؟ یہ ایک ایسی امت ہے جس کو اللہ نے تمام امتوں پر گواہ بنانا ہے"۔[3]

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:39، 41، 342:6:3964، 3967
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 39-41-342, Vol 6, Pg# 3964-3967

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:15-16
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 15-16

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:129، 437، 440
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 129-437-440

بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سید قطب نے اپنی اس تفسیر میں جماعتی زندگی پر بھی کافی زور دیا ہے بلکہ اس کو انسان کی اسلامی قرآنی تربیت اور مؤثر دعوت و کردار کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور کہا کہ اوائل مسلمانوں نے اسی لیے اس کا اہتمام کیا تھا۔[1]

**اللہ کے راستے پر چلنے والی جماعت کی علامات**

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ ایک مسلم جماعت کو رب ذوالجلال کے راستے پر چلنے کے لئے کن رہنما اصول وصفات کا اہتمام کرنا چاہئے؟ اس حوالے سے سید قطب نے جن امور کی نشاندہی کی، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عصر حاضر میں پھیلے ہوئے فتنوں سے اپنے آپ کو بچانا۔

۲۔ مختلف ضروری زاد راہ کی صورتیں جو ایک مسلم جماعت کو ساتھ رکھنا ہوتی ہیں۔

۳۔ دعوت کے میدان میں مختلف صعوبات پر صبر کرنا اور تدریجی اسلوب کو اپنا کر دعوت دینا۔

5۔ دعوت میں ترغیبی اسلوب اور نبوی طریقہ اختیار کرنا۔

یہ وہ پہلو ہیں جن کی طرف سید قطب نے جابجا اپنی اس تفسیر میں تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ اس حوالے سے مستقل کتب بھی لکھی ہیں مثلا "**معالم فی الطریق**" و "**فقہ الدعوۃ**" وغیرہ، بلکہ سید قطب نے طریق الدعوۃ پر اپنی تفسیر میں اس قدر تفصیل سے گفتگو کی کہ السید احمد فائز نے مستقل طور پر کتاب لکھی جس کا عنوان ہے "**طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن**"۔

**قرآنی نصوص کی عصری تطبیقات فی ظلال القرآن کی روشنی میں**

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نص قرآنی کا مدلول کافی وسیع ہے، جو زمانی ومکانی قیود سے مبرّا و خالی ہے تاکہ قرآنی پیغام موجودہ و مستقبل کے دونوں واقعات کے لئے یکساں شامل ہو، اسی لئے وہ سابقہ مفسرین کی طرح نص کے اجزاء میں سے کسی جزء کی تفسیر نہیں کرتے اور نہ ہی ماضی کے امور و مباحث کو بہت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں، بلکہ وہ قرآنی نصوص کو موجودہ حالات پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے عصر حاضر کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو سابقہ تفاسیر پر سبقت حاصل ہے اور معاصر فکر اسلامی کے حوالے سے اس کی گراں قدر خدمات ہیں۔[2]

اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں وہ اپنی اس تفسیر میں عصر حاضر میں دعوت اور اس کے تقاضے،[3] دشمن سے معرکہ کی جدید صورتیں،[4] معالم الطریق الی اللہ[1]، مسلمانوں کو فکری واخلاقی چیلنجز اور ان کا حل[2] وغیرہ موضوعات پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، 6: 3562، 3606
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 6, 3562-3606

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1: 42، 2: 1106، 3: 1609-1610
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 42, Vol 2, Pg# 1106, Vol 3, Pg# 1609-1610

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4: 2091، 2100، 2102
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4 , Pg# 2091, 2100, 2102

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1: 108، 2: 923-926
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 108, Vol 2, Pg# 923-926

**تشریعی امور کی حکمتیں، علتیں اور توجیہات فی ظلال القرآن کی روشنی میں**

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی اس تفسیر میں جب بھی کسی ایسی آیت سے گزر ہو جہاں کسی بات کے مشروع ہونے کا ذکر ہو رہا ہو تو وہ اس کی حکمت بیان کرتے ہیں، ایسے ہی جب کسی ایسی آیت سے گزر ہو جس میں کسی چیز کا حکم یا توجیہ ذکر ہوئی ہو تو اس کی علت کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں بندوں کی مصلحت کا خیال رکھا گیا ہو، اور ان حکمتوں اور علتوں کے بیان میں تربیتی ثقافتی و تحریکی پہلوؤں کا التزام کرتے ہیں۔[3]

**اسلامی تربیت کا منہج، خصوصیات، میادین، اسباب و عوامل کا التزام فی ظلال القرآن کی روشنی میں**

فی ظلال القرآن کے مطالعہ سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس تفسیر میں اسلامی تربیت کی بنیاد پر کسی معاشرے کی اصلاح اور اس میں تبدیلی کے حوالے سے قاری کے لیے کافی معلولات مہیا کی ہیں، چاہے اس کا تعلق تربیت کے مبادی و اساس سے ہو،[4] یا اس کا تعلق تربیت کی بنیاد پر تبدیلی کے منہجی خصوصیات سے ہو،[5] یا تربیتی تبدیلی کے میادین سے ہو، یا اخلاقی میدان ہو، یا تربیت کی بنیاد پر تبدیلی کے وسائل و ذرائع سے ہو، اسی حوالے سے جامعہ اسلامیہ غزہ کے اسلامی ڈیپارٹمنٹ سے مقالہ نگار وجیہہ صبح محمود القیق نے باقاعدہ ماسٹر لیول کا ایک مقالہ بھی پیش کیا ہے جس کا عنوان ہے "معالم التغيير التربوي لدي سيد قطب من خلال كتاباته"۔

**دعوتِ قرآن کو سمجھنے کے لیے متن کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا**

'فی ظلال القرآن' کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے متنِ قرآن کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصہ کی انفرادی خصوصیات کو ملحوظ رکھا اور اس حصہ کا اس سے پہلے اور بعد کے حصوں سے ربط واضح کیا، تاکہ ہر سورت از اول تا آخر ایک اکائی اور وحدت بن کر قارئین کے سامنے آسکے۔ مثال کے طور پر ہم سورۂ یوسف کو لیتے ہیں۔ اس سورت کو انھوں نے چھ بڑے حصوں میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس کے بعد اس کے ہر حصہ کی اندرونی مختلف تقسیم کی ہے۔[6] غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان اندرونی تقسیمات کے بعض اجزاء جہاں صرف ایک آیت پر مشتمل ہیں، وہیں ان کی تعداد بعض دوسرے حصوں میں چار یا پانچ تک پہنچ گئی ہے۔

**کامل فہم قرآن کے لیے ربط آیات و مطالب و معانی کا اہتمام**

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:444،445؛4:1885-1893
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 444-445, Vol 4, Pg# 1885-1893

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 3:1397-1399
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 3, Pg# 1397-1399

3 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:246؛2:699؛3:1586-1587
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 246, Vol 2, Pg# 699, Vol 3, Pg# 1586-1587

4 سید قطب، فی ظلال القرآن، 1:116؛4:1967
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 1, Pg# 116, Vol 4, Pg# 1967

5 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4:1967
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4, Pg# 1967

6 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4:1912
Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qurʾān, Vol 4, Pg# 1912

اس تفسیر کی اہم خصوصیات میں سے ایک ربطِ آیات ہے۔ سید قطبؒ ہر سورت کو ابتدا سے انتہا تک اس طرح لے کر چلتے ہیں کہ وہ پہلی آیت سے آخری آیت تک ایک مربوط کلام معلوم ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی کسی بھی سورت کی پہلی آیت سے آخری آیت تک، ایک دریا ہے جو اپنی منزل یا مرکزی مضمون کی طرف رواں دواں ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ سید قطب نے سورۂ یوسف کی ابتدا کو اس کی انتہا سے کتنے مسحور کن انداز میں جوڑا ہے۔

سورۂ یوسف کے بارے میں متداول مصاحف اور خاص طور پر مصحف امیری میں لکھا ہوا ہے کہ اس کی ابتدائی تین آیات اور آیت نمبر 7 مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اور یہ کہ آیت نمبر 111، جو اس سورت کی آخری آیت ہے، سورۂ ھود کے بعد نازل ہوئی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس سورت کی ایک سو گیارہ (111) آیتوں میں سے چار آیات (1، 2، 3، 7) مدنی اور باقی 107 آیات مکی ہیں۔ ان میں بھی آیت نمبر 111، جو ترتیب مصحف میں آخری آیت ہے، ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے پہلی آیت ہے۔ لیکن سید قطب کو اس سے اختلاف ہے، انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ:

**اولاً**– اس سورت کی تمام 111 آیتیں مکی ہیں، ان میں سے ایک آیت بھی مدینہ میں نازل نہیں ہوئی ہے۔

**دوم**– آیت نمبر 111 ترتیب نزول کے اعتبار سے پہلی آیت نہیں ہے، بلکہ وہ آخر ہی میں نازل ہوئی ہے۔[1]

سورۂ یوسف: قربِ ہجرت کی طرف اشارہ اور مایوسی اور تنگی کے بعد فراخی اور کشادگی اور حق کی کامیابی اور فتح یابی کی تمثیل ہے۔ (یہ مکی سورت ہے)۔ یہی عمود سید قطبؒ نے اپنی تمہید، دوران تفسیر اور خاتمۂ تفسیر میں بڑے شاندار انداز میں بیان کیا ہے۔

**تاریخی پس منظر میں سورتوں پر غور و خوض**

فی ظلال القرآن' ایک تحریکی تفسیر ہے، اس لیے اس کے مصنفؒ کے لیے یہ امر ناگزیر تھا کہ وہ ہر سورت کو اس کے تاریخی پس منظر میں رکھ کر اس کے مضمرات، متضمّنات، اسباب و نتائج، دلائل و براہین، ابتدا اور انتہا، لب و لہجہ کے زیر و بم، طریقۂ استدلال اور کلام کے رخ جیسے سارے ہی پہلوؤں پر تدبر کرے اور پھر اس بحرِ ناپیدا کنار کے ان انمول اور نایاب موتیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کا حصول صرف خوش قسمت اور نیک بخت لوگوں کی تقدیر ہوا کرتا ہے۔ اس کی مثال خود سورۂ یوسف ہے۔ اس سورت کی تمہید کا آغاز انھوں نے اس طرح کیا ہے:

یہ ایک مکی سورت ہے جو سورۂ ھود کے بعد اس پر خطر دور میں نازل ہوئی جس کی طرف ہم نے سورۂ یونس اور سورۂ ھود کے مقدمات میں اشارات کیے ہیں۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کے دو پشت پناہ۔ جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت یعنی عام الحزن اور بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیان واقع ہے جس کے ذریعہ (یعنی ہجرت کے ذریعہ) اللہ نے رسول اللہ ﷺ، اہل ایمان اور دعوتِ اسلامی کے لیے تنگی اور شدت کے بعد فراخی اور کشادگی کی راہ نکالی۔[2]

---

1 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4: 1920

Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qur᾽ān, Vol 4, Pg# 1920

2 سید قطب، فی ظلال القرآن، 4: 1949

Sayed Quṭab, Fī Ẓilāl al- Qur᾽ān, Vol 4, Pg# 1949

اس افتتاحیہ میں انھوں نے نہ صرف سورۂ یوسف کے نزول کا زمانہ اور اس کی کیفیات بیان کر دیں، بلکہ اس میں اور سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں تاریخی پس منظر کے نقطۂ نظر سے جو بات قدرِ مشترک ہے، وہ بھی بیان کر دی، یعنی تاریخی واقعات کی روشنی میں رسول، رسالت اور وحی سے انکار کرنے والوں کی تباہی کی کھلی کھلی دھمکی اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی دعوت کے بارے میں انتہائی مایوس کن حالات میں گھر جانے کے بعد فتح و نصرت کی بشارت۔ اس طرح یہ ان تینوں سورتوں کا مشترکہ عمود یا مرکزی مضمون قرار پاتا ہے۔

## نتائج بحث

سابقہ ذکر کردہ معلومات سے جو نتائج واضح ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- مولانا مودودی اور سید قطب رحمہا اللہ کی شخصیات کے حوالے سے کچھ امور ایسے ہیں جو کہ مشترک ہیں مثلاً: دونوں ایک ہی صدی سے تعلق رکھتے ہیں، اور امت مسلمہ میں ایک خاص مقام و مرتبہ کے حامل ہیں، دونوں ہی علمی، تحقیقی اور داعی و تحریکی شخصیات کے حامل ہیں ،اسی لیے ہی دونوں اسلامی دعوتی و تحریکی جماعتوں سے وابستہ تھے۔
- اس کے علاوہ دونوں مفسر قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کے اسلام اور مسلمانوں کو درپیش چیلنجز سے آگاہی رکھنے والے ہیں، اور پھر ان چیلنجز کا حل قرآن کریم کی ایک ایسی تفسیر کی صورت میں پیش کرتے ہیں جس سے مسلمان معاشرے مغربی استعماری قوتوں کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔
- مولانا مودودی اور سید قطب رحمہا اللہ عصر حاضر کے مسلمانوں کے لیے اپنی اپنی تفاسیر کو ایک ضرورت سمجھتے تھے کہ جس کے مطالعہ سے مسلمان قرآنی تعلیمات کی اہمیت کو سمجھ سکیں، کیونکہ آج کا مسلمان اس طرح قرآنی تعلیمات کی فضاؤں میں زندگی نہیں گزار رہا جس طرح سلف صالحین گزارتے تھے۔ اسی لیے یہ دونوں اپنی تفاسیر میں سابقہ مفسرین کی طرح فقہی، کلامی، نحوی، بلاغی وغیرہ مسائل پر تفصیلی گفتگو نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے قرآن کا اصل پیغام اور اس کے نزول کا مقصد حقیقی فوت ہو جاتا ہے۔
- دونوں تفاسیر فی ظلال القرآن و تفہیم القرآن تحریکی تفسیریں ہیں، اس لیے دونوں مفسرین نے ہر سورت کو اس کے تاریخی پس منظر میں رکھ کر اس کے مضمرات، متضمّنات، اسباب و نتائج، دلائل و براہین، ذکر کیے ہیں تاکہ قاری کے سینے میں اخذِ معلومات کی مزید رغبت پیدا ہو۔
- عصر حاضر کے مسلمانوں میں جو قرآن کریم سے بُعد اور دوری جو پیدا ہو رہی تھی، دونوں شخصیات نے اس تناظر میں اپنی یہ تفاسیر تحریر کیں تاکہ موجودہ دور کے مسلمانوں میں قرآن کریم کے حوالے سے جو خلا اور دوری پیدا ہو رہی ہے، اس کا ازالہ کیا جاسکے اور لوگ قرآن میں ذکر کردہ علمی خزانے سے آگاہ ہو سکیں اور ان کی تفاسیر کے مطالعے کے بعد لوگ بالواسطہ قرآن کریم کا مطالعہ کر سکیں۔
- دونوں شخصیات نے بیسویں صدی کے مسلمانوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ قرآن مجید پوری زندگی کے لیے جامع دستور العمل اور عملی و تحریکی کتاب ہے اور ماننے والوں سے اس پر مخلصانہ طور پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

- دونوں شخصیات نے اپنی اپنی تفاسیر کے توسط سے بیسویں صدی میں اسلام کی ترویج واشاعت میں مؤثر معنوی کردار ادا کیا ہے جیسا کہ عالمی اسلامی تحریکات کو روح اور جذبہ مہیا کر کے مغرب ومشرق میں عالمی الحادی استعمار کا راستہ روکا اور مؤثر دلائل سے اس کا مقابلہ کیا، اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے برجستہ اسلوبِ دعوت کو اختیار کیا، جس سے قاری کے دل ودماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔
- دونوں شخصیات نے اپنی اپنی تفاسیر میں جس رجحان کو سامنے رکھا ہے وہ دعوتی و اصلاحی رجحان ہے۔ اسی لیے ان کی ان تفاسیر میں دعوت کی اہمیت اس کے مبادئ، میادین، اسلوب دعوت، اسلامی تربیت کا منہج، خصوصیات وغیرہ پر مبنی مباحث بکثرت موجود ہیں جیسا کہ سطور بالا میں اس حقیقت کا اثبات ہے۔